صدرِ گرامی قدر،

جناب مہمان خصوصی، خواتین وحضرات،

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو اسلامیانِ ہند نے ''قراردادِ لاہور'' منظور کی جس میں ہندی مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قدرتی طور پر قائداعظم بہت خوش تھے۔ اگلے روز انھوں نے اپنے سیکرٹری مطلوب الحسن سید سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''آج اقبال ہم میں موجود نہیں لیکن اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ جان کر بہت خوش ہوتے کہ ہم نے بالکل ایسا ہی کیا، جس کی وہ ہم سے خواہش کرتے تھے۔'' علامہ اقبال نے ہندی مسلمانوں اور قائداعظم سے کیا خواہش کی تھی؟ اس کا اندازہ، علامہ کے خطبۂ الٰہ آباد اور قائد کے نام ان کے خطوں سے ہوتا ہے۔

خطبۂ الٰہ آباد میں انھوں نے اسلامیانِ ہند کے لیے شمال مغربی علاقوں میں مسلم ہندوستان کی تجویز پیش کرتے ہوئے، چند باتوں کی صراحت ضروری سمجھی:

۱۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست الگ الگ نہیں، بلکہ ایک کل کے اجزا ہیں۔ اسلام بذاتِ خود ایک کل ہے جو ساری زندگی کو محیط ہے، اسی لیے وہ دین اور سیاست کی دوئی کا قائل نہیں۔ مذہب کو فرد اور ریاست کی زندگی میں بے انتہا اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ قائداعظم کے نام ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں سوال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی غربت کا حل کیسے ممکن ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ خوش قسمتی سے قانونِ اسلام کے نفاذ میں اس کا حل موجود ہے۔ پھر اسی خط میں آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہیں: اگر اس قانون کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لیے حقِ معاش تو محفوظ ہو جاتا ہے لیکن ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر، اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔ اور میں اسلامی شریعت ہی کو مسلمانوں کی روٹی کے مسئلے اور ہندوستان کے امن وامان کا واحد حل سمجھتا ہوں۔

۳۔ اسی زمانے میں ایک اور خط (مورخہ: ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء) میں لکھتے ہیں: ہندوستان کو محض اقتصادی مسئلہ ہی درپیش نہیں ہے، ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اور نتائج کے اعتبار سے تہذیبی ورثے کی بقا کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، بلکہ یہ اقتصادی مسئلے سے کم اہم نہیں۔

گویا علامہ اقبال کے ذہن میں ترتیب ونقشۂ کار اس طرح تھا:

۱۔ ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام

۲۔ اسلامی قانونِ شریعت کا نفاذ

۳۔ مسلم تہذیبی ورثے کی بقا

۴۔ اقتصادی مسئلے کا حل

قائداعظم کے متعدد بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں علامہ اقبال کے متذکرہ بالا نکات وخیالات سے کامل اتفاق تھا اور اس سلسلے میں ان کے متعدد بیانات شاہد ہیں کہ انھوں نے اقبال کی خواہشات کو حتی الوسع بروئے کار لانے کی کوشش کی۔ چند اقتباسات:

۱۔ میں صاف طور سے واضح کردوں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک اسلامی مملکت ہوگی۔

۲۔ جہلا کے سوا ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ ہر مسلمان کے پاس قرآن کریم کا ایک نسخہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی راہنمائی کر سکے۔

۳۔ ایک اور موقعے پر کہا؛

اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطۂ حیات بھی ہے جس سے اس کی دنیوی زندگی میں نظم وضبط اور طرزِ عمل میں اعتدال وتوازن آتا ہے، حتیٰ کہ سیاست اور اقتصادیات وغیرہ میں بھی۔

۴۔ حصول آزادی کا اصل مقصد کیا تھا؟ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کے سٹیڈیم میں خطاب فرماتے ہوئے کہا؛ ہر شخص تک میرا یہ پیغام پہنچادیں کہ وہ یہ عہد کرے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بوقتِ ضرورت اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لیے آمادہ ہوگا۔

۵۔ پھر ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سول، بحری اور فضائی افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: قیامِ پاکستان آج اللہ کے فضل کرم سے آج ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ہمارا نصب العین ایک ایسی مملکت کی تخلیق تھا جسے ہم اپنی صوابدید اور ثقافت کے مطابق ترقی دے سکیں، اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اُصول جاری وساری ہوں۔

۶۔ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب میں کہا: ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی اساس انسانی مساوات اور معاشرتی عدل کے سچے اسلامی تصور پر استوار ہو۔

قائداعظم کے ان فرمودات واقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے کہ علامہ اقبال نے ہمیں جو راستہ دکھایا اور انھوں نے جو کچھ چاہا، قائداعظم نے خرابیِ صحت کے باوجود، بلکہ اپنی صحت داؤں پر لگا کر اُسے روبہ عمل لانے کا عزم کرلیا تھا۔ اب اگلی منزل نفاذِ شریعت کی تھی۔ افسوس یہ ہے کہ قائد نے اس دنیا سے پردہ کیا تو ہم نے بھی نفاذ شریعت سے پردہ کرتے ہوئے منزل مقصود سے منہ موڑ لیا۔ ہم کعبے کے بجائے ترکستان کی طرف چل پڑے۔ شاید ایسی ہی صورت حال پر علامہ نے کہا تھا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں ، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

سامعین کرام! ہم ہر سال دوبار (اپریل اور نومبر میں) یومِ اقبال مناتے ہیں۔ ایسے مواقع پر بکثرت یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ہماری عملی زندگیوں میں اقبال کا اثر کیوں نہیں نظر آتا؟

ناچیز کے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ کلامِ اقبال کا اثر اس لیے نہیں نظر آتا کہ ہم نے (اور ہم سے مراد بائیس کروڑ عوام و خواص ہیں۔) اپنا اپنا فرض ادا کرنے سے پہلوتہی کی ہے، غفلت کی ہے اور غفلت بھی مجرمانہ غفلت، جس کا ارتکاب کرنے والوں میں مقتدر حکمران، سیاست دان، پارلیمنٹ ممبران، اعلیٰ مناصب پر فائز حکمران، معلّمان، میڈیا کے کارپردازان اور عوام الناس، سب ہی شامل ہیں۔

علامہ اقبال کا خواب کیا تھا؟ جب وہ الٰہ آباد کی دوازدہ منزل میں خطبۂ الٰہ آباد پڑھ رہے تھے، تو ان کے ذہن میں کیسی مسلم ریاست کا تصور تھا، پھر ۱۹۳۰ء سے اپنی وفات تک انھوں نے کیا کچھ نہ سوچا ہوگا۔ مستقبل کی مسلم مملکت سے کیا کچھ امیدیں نہ باندھی ہوں گی؟۔ اسی خطبہ الٰہ آباد کے تقریباً پانچ سال بعد ''ساقی نامہ'' میں اپنی امنگوں اور آرزوؤں کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

تڑپنے، پھڑکنے کی توفیق دے — دلِ مرتضیٰ، سوزِ صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنّا کو سینوں میں بیدار کر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مرا عشق، میری نظر بخش دے
مرے دیدۂ تر کی، بے خوابیاں! — مرے دل کی پوشیدہ بیتابیاں!
اُمنگیں مری، آرزوئیں مری — اُمیدیں مری، جستجوئیں مری
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات!
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر! — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر!

مرے قافلے میں لٹادے اسے　　لٹادے! ٹھکانے لگادے اسے!

اسی خطبۂ الٰہ آباد سے چوتھائی صدی پہلے ۱۹۰۵ میں انھوں نے مسلم معاشرے کے چند افسوس ناک پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا تھا۔ امرا کی عشرت پسندی، مولوی صاحبان کا مسلکی انتشار وافتراق، عوام الناس کی اسراف وتبذیر اور محنت ومشقت سے فرار وغیرہ۔

غور فرمائیے کہ ان کمزوریوں اور خرابیوں میں ایک صدی گزر جانے کے باوجود کوئی تبدیلی آئی ہے؟..... سچی بات تو یہ ہے کہ ان افسوس ناک پہلوؤں میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ خوشامد، رشوت، جھوٹ، بددیانتی، فریب کاری، کام چوری، لاقانونیت، بے انصافی: علامہ ہمارے حال کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ ہے بلند بام ابھی
خلقِ خدا کی گھات میں رند وفقیہ ومیر وپیر
تیرے جہاں میں ہے، وہی گردشِ صبح وشام ابھی

آج کے صاحبانِ اقتدار، سیاست دان، ممبران پارلیمنٹ، معلّمان، وکیل، ذرائع ابلاغ (میڈیا) کے کارپردازان اپنے اپنے گریبان میں جھانکیں تو اس بات کا جواب مل جائے گا کہ کلامِ اقبال بے اثر کیوں ہے؟ درحقیقت ہم نے خود دانستہ اسے بے اثر کر دیا ہے۔

اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اقبال کا اثر کیسے ہوگا؟ اور وہ خواب کیسے پورا ہوگا جو اقبال اور قائد نے دیکھا تھا۔ ناچیز کی رائے میں ایسا ماحول بنانے کی ضرورت ہے جس میں اقبال کے اثرات نظر آئیں۔ سب سے پہلے تو اپنا کشکول توڑ دیں۔ اقبال نے تو ''زمین و آسمانِ مستعار'' پھونک کر ''آپ اپنا جہاں پیدا'' کرنے کی تلقین کی تھی اور افسوس ہے کہ ہم ایک کشکول بھی نہیں توڑ سکتے۔

معاشرے کا مزاج بنانے اور بگاڑنے میں فی الوقت سب سے زیادہ مؤثر کردار میڈیا کا ہے، لہٰذا ایک اہم ذمہ داری اخبار اور ٹی وی والوں کی ہے کہ وہ صریح جھوٹ نہ بولیں اور ریٹنگ کی دوڑ اور روپیا بنانے کی ہوس میں دینی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو پامال کرنے سے باز رہیں۔ پھر اساتذہ کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ طلبہ کے سامنے اپنا بے داغ کردار پیش کریں۔

کردار کی بات آئی ہے تو بتاتا چلوں کہ بے شک علامہ اقبال کی ذات میں کچھ شخصی کمزوریاں بھی تھیں، مگر آپ تسلیم کریں گے کہ اقبال کی افتادِ طبع درویشانہ تھی۔ مزاج میں سادگی تھی۔ قناعت پسند تھے۔ روپے کی ہوس نہ تھی۔ جس ماہ پانچ سو روپے کے مقدمات مل جاتے، مزید مقدمہ لینے سے معذرت کرتے۔ پٹنہ کی ایک عدالت نے ایک ہزار روپے روزانہ سفرخرچ پر بلایا۔ علامہ چاہتے تو دس پندرہ ہزار روپے بآسانی جمع کر لیتے مگر انھوں نے ایک ہی دن میں اپنا کام مکمل کیا اور پٹنہ سے واپس چل دیے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال کی روایت ہے کہ تیسری گول میز کانفرنس سے واپسی پر علامہ اقبال بمبئی کی بندرگاہ پر اُترے تو ''کسٹمز سے نکلتے وقت ڈیوٹی ادا کرنے کی خاطر سردار بیگم کے زیورات کا ڈبا سوٹ کیس سے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ کسی ساتھی نے مشورہ دیا کہ کم از کم انگشتریاں تو انگلیوں میں پہن لیجیے، کچھ ادا نہ کرنا پڑے گا، مگر وہ نہ مانے اور تمام زیورات پر، جو بھی ٹیکس لگا، ادا کر کے باہر آئے۔''

دراصل علامہ اقبال حتی الوسع قاعدے قانون کی پابندی کے قائل تھے اور کسی حیلے بہانے سے قانون سے بالاتر ہو کر فائدہ اٹھانے کو ناجائز سمجھتے تھے، اسی لیے انھوں نے زیورات پر وہ ٹیکس پورا پورا ادا کیا، جو ازروے قانون واجب تھا۔ ان کی زندگی میں اسی طرح کے اور واقعات بھی ملتے ہیں۔

خواتین وحضرات! خرابی بہت ہے، پھر بھی اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ آیئے، ہم سب مل کر عہد کریں کہ کلامِ اقبال کو بے اثر نہیں ہونے دیں گے۔ قائدِاعظم نے ۱۹۴۱ میں لکھا تھا: اقبال نے اپنی تخلیقات وتصانیف کی شکل میں ایک لازوال دولت اور گراں قدر میراث چھوڑی ہے۔ انھوں نے مسلمانوں میں اسلام کے باعظمت ماضی کی تجدید کرنے کا عزم اور حوصلہ پیدا کیا اور ان میں ایک نئی روح

پھونک دی۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اقبال کی تصانیف کو پڑھے اور ان کی تعلیمات کو ذہن نشین کرے۔

قائداعظم کی یہ تلقین اس لیے برمحل ہے کہ اقبال کی شاعری قاری کو حوصلہ، عزم، قوت اور اعتماد بخشتی ہے۔ دیکھیے، علامہ اس بحران سے نکلنے کے لیے کس تیقن سے ہماری راہنمائی کر رہے ہیں:

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری　　مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

رفیع الدین ہاشمی